Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

The Conditions of Zakat Obligation: In the Light of the Qur'an and Sunnah

وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط: قرآن وسنت کے آئینے میں

Authors Details

1. **Muhammad Afaq** (Corresponding Author)
   PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad, Pakistan.
   Email: afaqginum1122@gmail.com
2. **Dr. Hamid Hammad**
   Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad, Pakistan.

Citation

Afaq, Muhammad & Dr. Hamid Hammad." The Conditions of Zakat Obligation: In the Light of the Qur'an and Sunnah." *Al-Marjān Research Journal* 2, no. 3 (October–December 2024): 740–755.

Submission Timeline

Received: Nov 13, 2024
Revised: Dec 05, 2024
Accepted: Dec 09, 2024
Published Online: Dec 18, 2024

Publication, Copyright & Licensing

Article QR

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.
Rights Reserved © 2023.
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

The Conditions of Zakat Obligation: In the Light of the Qur'an and Sunnah

وجوبِ زکوۃ کی شرائط: قرآن وسنت کے آئینے میں

☆محمد آفاق ☆ڈاکٹر حامد حماد

Abstract

This research delves into the Qur'anic and Prophetic foundations of Zakat, emphasizing its role as a complete system of financial worship and spiritual purification in Islam. Zakat is not only an economic obligation but also a pillar that ensures social justice, wealth circulation, and moral upliftment. The study systematically examines the key conditions for Zakat's obligation, including complete ownership (Milk-e-Tam), where the owner has full control without restrictions; possession of the nisab (minimum threshold) as defined in Sunnah for gold, silver, livestock, and trade goods; the passage of one lunar year (ḥawl) to allow wealth growth; and the requirement that wealth be productive (māl nāmī), excluding non-growing assets like personal use items. Drawing from classical juristic interpretations and scriptural evidence, the paper addresses practical issues such as debts offsetting nisab, unlawful wealth's exemption, necessities (ḥawā'ij aṣliyya) not liable for Zakat, and specific rules for agricultural produce, minerals, and livestock. It highlights how these conditions balance individual capacity with communal welfare, preventing hardship while promoting equity. By analyzing verses like Sūrah al-Tawbah 9:60 and hadiths on nisab, the research clarifies misconceptions and demonstrates Zakat's adaptability to modern economies. Ultimately, Zakat emerges as a divine mechanism for poverty alleviation, ethical wealth distribution, and societal harmony, reinforcing Islam's vision of justice and compassion.

Keywords: Conditions of Zakat, Qur'an, Sunnah, Nisab, Hawl, Māl Nāmī

تعارف موضوع

اسلام ایک مکمل دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ زکوۃ اس کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے جو مالی عبادت کا اہم جزو ہے۔ قرآن مجید میں زکوۃ کی فرضیت کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے، جیسے سورۃ التوبہ میں مستحقین زکوۃ کا بیان۔ سنت نبوی ﷺ میں بھی زکوۃ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، جیسے نصاب اور مال نامی کی شرطیں۔ اس تحقیق کا موضوع زکوۃ کی فرضیت کی شرائط کا جائزہ لینا ہے۔ یہ شرائط ملک تام، نصاب کا ہونا، حول کا گزرنا اور مال کا نامی ہونا ہیں۔ ملک تام سے مراد مال پر مکمل تصرف ہے، بغیر کسی رکاوٹ کے۔ نصاب مال کی کم از کم مقدار ہے جو سنت سے ثابت ہے، جیسے سونے کا 7.5 تولہ۔ حول ایک قمری سال کا گزرنا ہے تاکہ مال میں اضافہ ہو سکے۔ مال نامی سے مراد وہ مال

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان۔
☆ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان۔

جو بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جیسے تجارت کا سامان۔ یہ شرائط قرآن وسنت سے مستنبط ہیں اور فقہاء نے ان پر اجماع کیا ہے۔ یہ تحقیق ان شرائط کی حکمت اور نتائج پر روشنی ڈالتی ہے، جو اسلام کے معاشی عدل کو یقینی بناتی ہیں۔

مبحث اول: ملکِ تام

ملک تام سے مراد کسی شئے کے مالک ہونے اور اس کے تصرف پر مکمل قادر ہونے کے ہیں، جیسا کہ قاموس میں ہے اور المعجم الوسیط میں یہ معنی بیان کیے گئے ہیں کہ فلاں شے کو قبضہ میں لے لیا اور اس کے تصرف میں منفرد ہو گیا۔[1] مگر ملکِ تام سے مراد مالکِ حقیقی نہیں کیونکہ ملکِ حقیقی تو دراصل اللہ سبحانہ ہی کو حاصل ہے اس لیے یہاں ملکِ تام سے مراد صرف قبضہ، تصرف اور اختصاص ہے غرض انسان کی کسی شئے کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ ملکیت کے قانونی طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے اسے دوسرے افراد سے زیادہ اس شئے سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہو گیا ہے اور اس نے وہ شئے کسی عمل کے صلے میں اپنے تصرف میں کر لی ہے یا کسی معاہدے کے تحت اسے مل گئی ہے یا اسے میراث وغیرہ میں ملی ہے اور بحکم الٰہی اور باجازت شرعی اسے شئے کی ملکیت کا استحقاق حاصل ہو گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مطابق "اللہ سبحانہ نے جملہ بنی نوع انسان کے لیے روئے ارض کی تمام اشیا سے فائدہ اٹھانا روا قرار دے دیا اور تمام روئے زمین کو مسجد اور ایک ایسے میدان عام کی طرح قرار دے دیا جس میں جانور باندھے جاتے ہوں، مگر چونکہ اس طرح عمومی انتفاع میں تمام انسانوں کی مزاحمت اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچادینا ناگزیر تھا اس لیے اللہ سبحانہ نے جملہ بنی نوع انسان کو اشیائے ارض میں شریک قرار دے دیا اور ان اشیا کو تمام انسانوں پر اس طرح وقف قرار دیا جس طرح مسافروں کے لیے (مسافر خانے کی اشیا) وقف ہوتی ہیں کہ جو شخص پہلے آئے وہ پہلے فائدہ اٹھائے۔ اور یہی معنی ایک انسان کی ملکیت کے ہیں کہ وہ اس شئے سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔"[2]

اس شرط کے اعتبار کی حکمت

ملکیت اللہ سبحانہ کی عظیم نعت ہے کیونکہ یہ ثمرہِ حریت اور ثرہِ انسانیت ہے اس لیے کہ حیوان کسی شے کا مالک نہیں ہوتا بلکہ یہ انسان ہی ہے جو اشیاء کا مالک ہوتا ہے نیز ملکیت سے انسان کو سیادت اور قوت کا احساس ہوتا ہے، اس کے فطری میلان کی تسین ہوتی ہے، ملکیت کے اتمام سے انسان اپنے مملوک مال سے بخوبی استفادہ کر سکتا ہے اور اسے از خود یا اپنے نائب کے ذریعے افزائش دے سکتا ہے۔ غرض ملکیت مال اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس نعت پر انسان کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس مال میں جو حقِ زکوۃ عائد ہوتا ہے وہ ادا کرنا چاہیے۔

اس شرط کی دلیل

اس شرط کی دلیل دو امور ہیں ایک یہ کہ قرآن وسنت نے مال کی ملکیت کی نسبت انسانوں کی جانب کی ہے اور فرمایا ہے۔ "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً اور وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ اور فرمان رسالت مآب ﷺ ہے کہ اللہ سبحانہ، ان کے مالوں پر صدقہ فرض کیا ہے۔ تو تم اپنے مال میں سے چالیسواں حصہ ادا کرو۔ غرض اموال کی اضافت انسانوں کی جانب کی گئی ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافت ملکیت کی متقاضی ہے اور مال کے مالک اس مال کے دوسروں سے زیادہ انتفاع کے حق دار ہیں۔ دوسرا یہ کہ خود ادائے زکوۃ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے مال کے کچھ حصے کا فقر امساکین اور دیگر مستحقین کو مالک بنادیا جائے اور ظاہر ہے کہ انسان دوسرے کو مالک اسی وقت بنائے گا جب وہ خود مالک ہو۔

1. Ibrāhīm Muṣṭafā wa dīgar, *al-Mu'jam al-Wasīṭ*, al-Qāhirah: Dār al-Da'wah, 1426H, 3/342
2. Walī Allāh, Muḥaddith Dihlawī, *Ḥujjat Allāh al-Bālighah*, Bayrūt: Dār al-Jīl, 1426H, 2/64, 641

اس شرط کے نتائج

i. ایسا مال جس کا کوئی متعین مالک نہ ہو اس پر زکو نہیں، مثلاً حکومت زکوۃ، ٹیکسوں وغیرہ سے جو مال حاصل کرتی ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں۔ اس لیے کہ اس کا کوئی متعین مالک نہیں ہے بلکہ یہ مال تمام اُمت کی ملکیت ہے، تو یہ لایعنی بات ہوگی کہ وہ خود اپنے آپ سے زکوۃ لے کر اپنے آپ کو دے دے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ فئے اور غنیمت کے خمس پر زکو نہیں ہے کیونکہ اس مال کو مصالح مسلمین پر خرچ کیا جاتا ہے۔[3] اس طرح کسی بھی ملکیت عامہ پر زکوۃ نہیں ہے۔

ii. زکوۃ کے وجوب میں ملکیت شرط ہے اور اس شرط سے وہ مال وجوب زکوۃ سے خارج ہو جاتا ہے جو ناجائز اور غیر شرعی طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، مثلاً وہ مال جو بدکاری سے، حرام امور کے ارتکاب سے، غصب اور چوری سے، دھوکہ دہی اور رشوت سے، سود اور ذخیر اندوزی سے ، فریب سے اور باطل راستوں سے لوگوں کا مال چھین کر حاصل ہوا ہو اس پر زکوۃ نہیں جس طرح کہ بادشاہوں کی دولت جو ظلم وستم سے حاصل ہوتی ہے اور بدکار حکمرانوں کی دولت اور سود خواروں اور بڑے بڑے لٹیروں اور معمولی چوروں کی دولت، اس لیے کہ وہ اس کے مالک نہیں ہوتے خواہ وہ اس کو اپنی حلال اور جائز آمدنی میں کیوں نہ شامل کر دیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا قسموں کا مال اگر بقدر نصاب بھی ہو تو بھی اس پر زکوۃ نہیں بلکہ اس شخص کا جس کے پاس یہ دولت ہو اصل کام یہ ہے کہ وہ اس سرمائے کو فوری طور پر ان لوگوں کو واپس کر دے جن سے ناجائز طریقے پر حاصل کیا ہے، یا اُن کے ورثا کو واپس کر دے یا تمام فقرا کو صدقہ کر دے۔ بہر حال اس مال میں سے کچھ زکوۃ دے دینا کسی طور پر بھی درست نہیں ہے۔[(4)]

اس بارے میں حدیث صحیح موجود ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سجانہ غلول (حرام) سے صدقہ قبول نہیں فرماتا۔ (مسلم) غلول اس مال حرام کو کہتے ہیں جو کسی شخص نے عام مال غنیمت وغیرہ سے ناجائز طور پر لے لیا ہو۔ حرام آمدنی میں سے صدقہ کی عدم قبولیت کی فقہائے کرام نے یہ توجیہ کی ہے کہ صدقہ دینے والا خود اس مال کا مالک نہیں ہوتا اور اسے اس مال میں تصرف کا اختیار ہی نہیں ہوتا۔[(5)] اس اصول کا نتیجہ یہ ہو گا کہ شریعت کی نظر میں مال حرام کا مالک غنی (مال دار) نہیں ہو گا، اگرچہ اس کے پاس دولت کے انبار ہوں اور مدتوں سے یہ دولت اس کے قبضے میں ہو۔

iii. ملکیت تام کی شرط سے زکوۃ کے بارے میں ایک اور بحث سامنے آتی ہے کہ کیا زکوۃ دائن (قرض دہندہ) پر لازم ہے کہ دراصل وہی اس کا مالک ہے؟ یا مقروض (مدیون) پر عائد ہوتی ہے کہ وہ فی الوقت اس مال سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور تصرف کر رہا ہے؟ یا دونوں پر لازم ہے؟ یا دونوں سے معاف۔ اس بات کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ زکوۃ دونوں پر لازم ہے جب کہ عکرمہ اور عطاسے یہ قول منقول ہے کہ دونوں سے معاف ہے کیونکہ مقروض تو قرض پر زکوۃ نہیں دیتا اور قرض دہندہ اس لیے نہیں دے گا کہ یہ مال اس کے قبضے میں نہیں ہے۔[(6)]

ابنِ حزم نے سیدہ عائشہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ مال قرض پر زکو نہیں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ اور مقروض دونوں پر زکو نہیں

---

3. Shāh Walī Allāh, *Ḥujjat Allāh al-Bālighah*, 2/66
4. Ibn Najīm, al-Ḥanafī, *al-Baḥr al-Rā'iq Sharḥ Kanz al-Daqā'iq*, Bayrūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1418H, 3/112
5. al-'Asqalānī, Ibn Ḥajar, Aḥmad b. 'Alī, *Fatḥ al-Bārī bi-Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Bayrūt: Dār al-Ma'rifah, 1379H, 2/1
6. Ibn Ḥazm, Abū Muḥammad, 'Alī b. Aḥmad b. Sa'īd, *al-Muḥallā bi'l-Āthār*, Bayrūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, n.d., 2/101

ہے اور ابن حزم نے اس کی تائید کی ہے اور یہی فقہائے ظاہریہ کا مسلک ہے۔ ان کی اس رائے کی وجہ یہ ہے کہ اُن دونوں ہی کی ملک ملکِ تام نہیں ہے۔ الاموال میں نخعی کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ اگر مقروض قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے تو اس مال قرض کی زکوۃ مقروض کے ذمے ہے کہ وہ ہی اس مال میں تصرف کر رہا ہے اور اس سے مستفید ہو رہا ہے۔[7] دور صحابہؓ اور اس کے بعد کے ادوار سے فقہا کے نزدیک قرض کی دو قسمیں ہیں:

i. وہ قرض جس کی ادائیگی کی اُمید اور توقع ہو (یعنی قرض متوقع الحصول) مثلاً یہ کہ مقروض مال دار ہو اور قرض کا اقرار کرنے والا ہو۔ اس قسم کے قرض کی زکوۃ مالک ہر سال اپنے مال کے ساتھ ادا کرتا رہے، یہ رائے ابو عبید کے نزدیک حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عمر اور جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے اور اس رائے کی تائید تابعین میں سے جابر بن زید، مجاہد نے ابراہیم اور میمون بن مہران نے بھی کی ہے۔[8]

ii. وہ قرض جس کے وصول ہونے کی اُمید نہ ہو (قرض غیر متوقع الحصول) مثلاً یہ کہ مقروض تنگ دست ہو اور اس کے مال دار ہو جانے کی کوئی اُمید نہ ہو، یا مقروض قرض سے انکار کرے اور کوئی ثبوت (بینہ) موجود نہ ہو۔ اس صورت میں درج ذیل تین مسلک ہیں۔

أ. کہ جب یہ مال قرض دہندہ کے پاس آئے تو گزشتہ سالوں کی بھی زکوۃ دے دے اور یہ مسلک حضرت علی اور حضرت ابن عباس کا ہے۔

ب. کہ جب یہ مال قرض دہندہ کے قبضے میں آئے تو وہ اس وقت ایک سال کی زکوۃ ادا کرے۔ حضرت حسن اور حضرت عمر بن عبد العزیز کی رائے ہے اور یہی تمام قرضوں کے بارے میں خواہ متوقع الحصول ہو یا غیر متوقع الحصول) امام مالک کا مسلک ہے۔[9]

ج. کہ قرض دہندہ پر سالہائے گزشتہ کی زکو لازم نہیں ہے بلکہ جس سال اس کے قبضے میں یہ مال آیا ہے اس سال کی بھی زکوۃ نہیں ہے اور یہ امام ابوحیفہ ہے اور ان کے دونوں شاگردوں (امام ابو یوسف، امام محمد مین کی رائے اور اُن کا مسلک ہے۔ اُن کے نزدیک قرض دہندہ کے پاس جب مال قرض واپس آئے گا تو وہ اس کی ادائیگی بالکل ایک نئے مال کی طرح کرے گا اور اس پر سال گزرنے کا انتظار کرے گا۔[10] امام ابو حنیفہؒ اور ان کے صاحبین کا یہی مسلک ہے یہ نہ صرف غیر متوقع الحصول قرض کے بارے میں ہے بلکہ عام طور پر ہر مالِ ضمار کے بارے میں ہے یعنی وہ مال جس سے مالک نفع اٹھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور جس مال کی بناء پر وہ غنی نہیں کہلا سکتا اور زکوۃ اغنیاء پر فرض ہے۔[11]

مبحث دوم: مالِ نامی (قابلِ افزائش مال)

زکوۃ کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس مال پر زکوۃ لی جائے وہ فی الوقت مال نامی (افزائش پانے والا ہو) یا افزائش کے قابل ہو، اور نما کے معنی ہیں کہ وہ مال مالک کو منافع اور فائدہ پہنچائے یعنی ٹیکس کے جدید ماہرین کے الفاظ میں اس سے آمدنی اور اضافہ اور درآمد ہو یا وہ مال بذات خود نشو و نما پانے والا ہو اور اس سے خود بخود نئی آمدنی حاصل ہو، فقہائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ نما کے معنی لغت میں افزائش اور زیادتی کے ہیں اور شریعت میں نما کی دو قسمیں ہیں نما حقیقی اور نما تقدیری نما حقیقی (واقعی افزائش) کا مطلب یہ ہے کہ زیادتی بذریعہ پیدائش نسل کشی اور بذریعہ تجارت وغیرہ ہو اور نما تقدیری (تقدیری افزائش) کا مطلب یہ ہے کہ مالک اس مال کی بڑھوتری اور افزائش پر قدرت رکھتا ہو یعنی اس قدر مال

7. Abū ʻUbayd, al-Qāsim b. Sallām, *Kitāb al-Amwāl*, al-Qāhirah: al-Kulliyāt al-Azharīyyah, 1395H, p. 432
8. Aydan (ibid.)
9. al-Dardīr, Aḥmad b. Muḥammad, *al-Sharḥ al-Kabīr maʻ Ḥāshiyat al-Dusūqī*, Bayrūt: Dār al-Fikr, n.d., 1/466
10. Abū ʻUbayd, *Kitāb al-Amwāl*, pp. 434–435
11. al-Kāsānī, ʻAlāʼ al-Dīn, Abū Bakr b. Masʻūd, *Badāʼiʻ al-Ṣanāʼiʻ fī Tartīb al-Sharāʼiʻ*, Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, n.d., 2/9

اس کے پاس یا اس کے نائب کے پاس ہو کہ وہ افزائش اور بڑھوتی حاصل کر سکے۔ اگر مال بذات خود افزائش کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور اس میں مزید آمدن اور بڑھوتری کی قوت نہ ہو تو اس مال پر اس وقت زکوٰۃ ہوگی جب اس میں فی الوقت افزائش ہو رہی ہو، جب کہ اس مال پر جس میں نما اور افزائش کی صلاحیت موجود ہو جیسے غلے، پھل وغیرہ کہ اس مال پر فی الوقت افزائش شرط نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر ہی زکوٰۃ واجب ہے۔

نما (افزائش) کی شرط میں حکمت

زکوٰۃ کی فرضیت کا مقصود یہ ہے کہ بندے کی آزمائش کے ساتھ فقرا کی مواسات اور ہم دردی ہو سکے، مگر اس طرح کہ خود دینے والا فقیر نہ ہو جائے یعنی یہ کہ وہ اپنے بہت سے مال میں سے کچھ تھوڑی سی رقم ادا کرے، جب کہ ایسے مال پر زکوٰۃ کے وجوب سے جس میں بالکل افزائش نہ ہو، گردش زمانہ کے ساتھ اس کے برعکس نتیجہ نکل آئے گا (یعنی خود زکوٰۃ دہندہ لینے کا محتاج ہو جائے گا) بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ اس کے ذمے دیگر اخراجات بھی ہوں۔ اس توضیح سے یہ فرمان نبوت مادی اور حقیقی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ "زکوٰۃ سے مال میں کوئی کمی نہیں آتی" کیونکہ کثیر نامی اور افزائش پانے والے مال میں سے تھوڑا سا حصہ زکوٰۃ کا ادا کرنے سے کبھی بھی مال میں کمی نہیں آئے گی۔

البدائع میں تحریر ہے کہ خود زکوٰۃ کے معنی افزائش اور نما کے ہیں اس لیے زکوٰۃ محض مالی نامی سے ہی لی جائے گی۔ اور اس سے ہماری مراد حقیقت نما نہیں ہے کیونکہ یہ امر غیر معتبر ہے بلکہ اس سے مراد وہ مال ہے جو تجارت کے ذریعے بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا جانور ہوں اور انھیں چرایا جائے، کیونکہ جانوروں کے چرنے سے دُودھ نسل اور گھی پیدا ہوگا اور تجارت سے منافع حاصل ہوگا۔ [12]

اس شرط کی دلیل

فقہائے کرام نے یہ شرط رسول اللہ ﷺ کی سنت قولی اور سنت عملی سے اخذ کی ہے اور اسی سنت پر صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کا عمل رہا ہے، یعنی آپ ﷺ نے ذاتی استعمال میں آنے والی اشیا پر زکوٰۃ واجب نہیں فرمائی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: "کسی مسلمان پر اس کے گھوڑے اور اس کے غلام پر صدقہ نہیں" امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے ذاتی استعمال کے مال پر زکو نہیں ہے۔" اور رسول اللہ ﷺ نے صرف نفع بخش افزائش رکھنے والے مال پر زکوٰۃ عائد فرمائی ہے اور اس قسم کے مال کی دور نبوت کے عرب میں یہ انواع پائی جاتی تھیں:

- چرنے والے مویشی (انعام سائمہ) یعنی اونٹ، گائے اور بکری۔
- نقود یعنی سونا اور چاندی، جس سے بعض لوگ تجارت کرتے اور بعض اس کو محفوظ کر کے رکھتے تھے۔
- فصلیں اور پھل، خاص طور پر غذائی اشیاء مثلاً گندم، جو، کھجور، کشمش اور شہد وغیرہ۔
- قدیم لوگوں کے زمین میں مدفون خزانے اور دکانیں، اگرچہ فقہا کا اُن کے مصرف میں اختلاف ہے کہ یہ زکوٰۃ کے مصرف میں صرف ہوں گے یا فئے کے مصرف میں؟

احکام شرعیہ کی تعلیل کے قائل فقہا کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اُن مذکورہ بالا اموال میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کی علت یہ ہے کہ اُن اموال میں یا تو بالفعل (فی الوقت) افزائش موجود یا اُن میں افزائش کی صلاحیت اور امکان موجود ہے۔ جہاں تک انعام (مویشی) کا تعلق ہے تو وہ تو بالفعل (فی الوقت) نامی ہیں اور اُن کی افزائش طبعی ہے کہ وہ فربہ ہوتے، دودھ دیتے اور بچے پیدا کرتے ہیں اور اُن سے حیوانی دولت میں اضافہ ہوتا ہے اور گوشت اور دُودھ کی اشیا میسر آتی ہیں۔ سامان تجارت بھی بالفعل (فی الوقت) نامی ہے اس لیے کہ اس سے منافع حاصل ہوتا ہے اور فائدہ ہوتا ہے،

12. al-Kāsānī, *Badā'i' al-Ṣanā'i'*, 2/9

اگر چہ یہ افزائش طبعی نہیں ہوتی، جیسے حیوانی اور زرعی پیداوار میں طبعی افزائش ہوتی ہے بلکہ سامانِ تجارت میں افزائش مصنوعی مشابہ طبعی ہوتی ہے۔ اور اسلام نے تمام مذاہب قوانین اور فہم انسانی کی طرح اس افزائش کو حلال قرار دیا ہے۔

نقود (سونا اور چاندی) اس لیے مال نامی ہیں کہ یہ تبادلے کا ذریعہ اور ہر سامان تجارت کے بدلے میں ملتے ہیں اور اشیا کی مقداروں کے تعین کا پیمانہ ہیں اور اگر انھیں صنعت و تجارت میں لگایا جائے تو یہ پیداوار، منافع اور فائدہ بخشیں گے اور دراصل یہی افزائش مقصود بھی ہے اور اگر کوئی شخص ان نقد کو کنز بنالے اور اُن کو گردش میں آنے، فائدہ بخش بننے اور پیداواری صلاحیت سے روک دے تو اس کا ذمے دار خود یہ شخص ہے اور اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاس بہترین کارکردگی کا حامل کارخانہ ہو لیکن وہ اس کو بند کئے رکھے اور اس سے پیداوار حاصل نہ کرے۔ شریعت اسلامیہ نے ان نقود پر زکوۃ فرض کر کے انسان کو اس جانب متوجہ کیا ہے کہ وہ اس سرمایہ کو بے کار نہ پڑا رہنے دے بلکہ اسے افزائش بخش کاموں میں لگائے، خود فائدہ اٹھائے اور معاشرے کو اور سماجی اقتصادیات کو فائدہ پہنچائے۔ فصلیں اور پھل اور شہد بھی بذات خود افزائش کی حامل اشیا ہیں اور اسی طرح کانیں اور دفینے (کنز) بھی افزائش کی صلاحیت کے حامل ہیں۔ مال میں افزائش ہونے کی شرط جہاں کلام نبوت اور عمل صحابہ خانہ سے ماخوذ ہے وہاں یہ لفظ زکوۃ کے حقیقی مفہوم سے بھی ہم آہنگ ہے کیونکہ زکوۃ کے اصل معنی افزائش اور نماہی کے ہیں اور اس مقررہ مقدار کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مستقبل میں یہ عمل برکت اور نشوونما کا سبب بن جاتا ہے جیسا کہ وعدہ الٰہی ہے:

"وَمَا انْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ۔" [13]

(اور جو کچھ تم خرچ کردیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے)

"وَمَا أَتَيْتُم مِنْ زَكوةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ" [14]

(اور جو زکوۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو، اُسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔)

یا اس مقررہ مقدار کو زکوۃ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ حق افزائش پانے والے مال پر عائدہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مال پر زکوٰۃ عائد نہیں ہے جس کا نشوونما مالک کے لیے دشوار ہو، جیسے منصوب اور ضائع شدہ مال وغیرہ اور اسی وجہ سے ذاتی استعمال کی اشیا پر زکوۃ فرض نہیں ہے، غرض چونکہ زکوۃ افزائش پانے والے مال پر عائد ہے اس لیے گویا زکوۃ دہندہ اپنے مال کی زکوۃ اس کی افزائش سے ادا کرے گا۔[15] اسی افزائش کی شرط کی بنا پر سواری کے جانور رہائشی مکانات، پیشہ ورانہ آلات اور گھریلو استعمال کا سامان وغیرہ ہمیشہ زکوۃ سے مستثنی متصور کئے گئے ہیں کیونکہ یہ اشیا مال نامی شمار نہیں ہوتیں اور اُن میں نہ فی الوقت افزائش موجود ہے اور نہ ان میں افزائش کی صلاحیت موجود ہے۔

اس شرط کے نتائج

اسی اصول افزائش کی تطبیق (Application) کے طور پر فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص از خود یا اپنے نائب کے توسط سے اپنے مال کو افزائش نہ دے سکے تو اس مال پر زکو نہیں ہے جیسے مال ضمار ہے یعنی از روئے لغت وہ مال جو غیر موجود ہو اور اس کے مل جانے کی اُمید نہ ہو اور از روئے شریعت وہ مال ہے جس کی ملکیت کے باوجود مالک اس کے انتفاع پر قادر نہ ہو، غرض جس طرح مال ضمار میں ملکیت تام کے شرط نہیں پائی جاتی، اسی طرح اس میں افزائش کی شرط بھی نہیں پائی جاتی۔ مال زکوۃ کی افزائش کی شرط ہی کی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ فصلوں کی پیداوار اور

13. al-Sabā', 39:34
14. al-Rūm, 39:30
15. al-Bājī, Abū al-Walīd, Sulaymān b. Khalaf, *al-Muntaqā fī Sharḥ al-Muwaṭṭa'*, Bayrūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, n.d., 2/9

پھلوں پر سال گزر جانے سے دوبارہ زکوۃ لازم نہیں ہوتی، یعنی جب ایک مرتبہ فصلوں کی پیداوار اور پھلوں پر عشر ادا ہو چکا تو دوبارہ ان اشیا پر کچھ واجب نہیں ہو گا خواہ یہ مالک کے پاس کئی سالوں تک محفوظ رہیں۔ اس لیے کہ زکوۃ کا تکرار ہر سال عائد ہونا) صرف اموال نامیہ (افزائش پذیر مال) میں ہوتا ہے اور زمینی پیداوار اور پھلوں میں سے جو اشیا محفوظ کر لی جائیں تو چونکہ اب ان کی افزائش ختم ہو چکی ہے اور انھیں اب ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اب ان پر زکوۃ واجب نہیں ہے جیسا کہ گھر کے ساز و سامان پر واجب نہیں ہے جب کہ مویشی میں بہر صورت افزائش موجود ہے۔ افزائش (نما) کی شرط کی تطبیق میں شاید امام مالک کے مسلک میں سب سے زیادہ وسعت اختیار کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک قرض دہندہ پر سالہائے گزشتہ کی زکوۃ لازم نہیں ہے اگرچہ اس کا یہ قرض متوقع الحصول (مرجو) ہو بلکہ اس پر اس سال کی زکوۃ عائد ہو گی جس سال اس کے قبضے میں یہ مال آیا ہے اور اس قرض کی مثال مالِ مغصوب کی سی ہو گی یا اس مال کی ہو گی جسے مالک نے کہیں ویرانے میں یا آبادی میں دفن کر دیا ہو اور بھول گیا ہو (کہ کہاں دفن ہے) یا اس مال کی ہو گی جو مالک کے ہاتھ سے گر جائے اور ضائع ہو جائے۔ ان میں سے کسی بھی قسم کے مال پر زکوۃ نہیں ہے سوائے اس کے کہ جس وقت مالک کو دوبارہ ملے وہ اس ایک سال کی زکوۃ ادا کرے۔ یہ اصول تمام قرضوں میں جاری ہو گا سوائے اس قرض کے جو کسی تاجر نے لیا ہو اور اس قرض کو وہ رواں نرخوں پر خرید و فروخت میں استعمال کر رہا ہو (اس قرض سے کاروبار کر رہا ہو) تو یہ تجارتی قرضے اس کے سامان تجارت میں شامل متصور ہوں گے اور ہر سال اس (تاجر) پر زکوۃ عائد ہو گی۔ قرض پر عدم زکوۃ کے بارے میں فقہائے مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ مال اپنے مالک کی ملکیت ہے لیکن یہ مال (مالک کے حق میں غیر نامی ہو گیا ہے اس لیے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ زکوۃ مالِ نامی (افزائش پذیر مال) پر عائد ہوتی ہے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر امام مالک نے یہ رائے اختیار کی ہے اور یہی جمہور فقہا کی رائے ہ کہ تاجر محتکر (ذخیرہ اندوز تاجر جو سامان خرید کر اس کی قیمتیں بڑھنے کا انتظار کرے جیسے آج کل لوگ سکنائی زمین خرید کر اس کی قیمت چڑھنے کا انتظار کرتے ہیں) کے سامان کی قیمت (اصل سرمایہ) پر ہر سال زکوۃ لازم نہیں ہے جس طرح کہ تاجر مدیر (جو اپنے سامان تجارت اور سرمائے کو مصروف تجارت رکھے ہوئے ہو) پر سالانہ زکوۃ عائد ہوتی ہے، بلکہ جب یہ تاجر محتکر (ذخیرہ اندوز) اس سامان تجارت میں سے بقدر نصاب فروخت کرے گا تب اس پر ایک سال کی زکوۃ عائد ہو گی، اگرچہ فروخت سے پہلے اس کے پاس کئی سال تک رکھا رہا ہو کیونکہ جو سامان تجارت اس کے پاس کئی سال سے رکھا ہے اور جو اس نے اب فروخت کیا اس پر افزائش (نما) تو ایک ہی مرتبہ حاصل ہوا، اس لیے اس پر زکوۃ بھی ایک ہی مرتبہ عائد ہو گی۔[16]

مبحث سوم: مال معجور عن النما: وہ مال جو افزائش نہ پاسکے

عدم افزائش مال (تنمیتہ المال) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ مال خود افزائش حاصل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اور دوسرا یہ کہ صاحب مال اس کو افزائش دینے سے عاجز ہو۔ جہاں تک مال کے خود افزائش سے رہ جانے (عاجز ہو جانے) کا تعلق ہے تو اس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ مال مغصوب ہو اور مالک کے پاس کوئی بینہ (ثبوت) موجود نہ ہو، یا قرض ہو اور غیر متوقع الحصول ہو یا مالک مال کسی جگہ دفن کر کے بھول گیا ہو، یا اس قسم کی کوئی اور صورت ہو تو ان صورتوں میں ایک معذور متصور ہو گا اور جب تک یہ مال مالک کے قبضے میں نہ آ جائے اس پر زکوۃ نہیں ہو گی۔ اور دوسری صورت میں جب کہ مال کے نشو و نما سے رہ جانے کا تعلق خود مالک سے ہو تو اس کا عذر غیر معتبر ہے اور اس پر زکوۃ واجب ہے اور شریعت اس مال کے افزائش نہ پانے کے سب کی تحقیق نہیں کرے گی، اس لیے کہ شریعت کی نظر میں ایک مسلمان سے توقع یہی ہے کہ وہ جائز طریقوں سے

16. al-Bājī, *al-Muntaqā fī Sharḥ al-Muwaṭṭa'*, 2/473

اپنے مال کو افزائش دے۔ خود ایسا کر سکتا ہو تو خود کرے ورنہ کسی کی شراکت میں کرے اور متوقع امر یہ ہے کہ مسلمان رکاوٹوں کو دور کرنے اور مناسب مواقع فراہم کرنے سے عاجز نہیں ہوتا۔

غرض اسلام کی نظر میں عاجز ہونا ایسا عذر نہیں ہے جس سے واجبات ساقط ہو جائیں۔ بلکہ عجز ایسا امر ہے جس پر اس شخص ہی کو برا بھلا کہا جانا چاہئے کیونکہ یہ عجز یا تو اس شخص کی اپنی کوتاہی سے پیدا ہوا یا معاشرے کے کسی اختلال (ابتری) سے پیدا ہوا ہے۔ اسی لیے حدیث نبوی میں عجز سے منع فرمایا گیا ہے اور ایسا شخص بر اقرار دیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے عجز سے پناہ مانگی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے۔"اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْكَسَلِ"(اے اللہ! میں عاجزی اور درماندگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں)(بخاری بروایت انس)

مبحث چہارم: نصابِ زکوۃ

اسلام نے مال نامی کی معمولی مقدار پر زکوۃ فرض نہیں کی ہے بلکہ ایک مخصوص اور متعین مقدار کی شرط عائد کی ہے جسے فقہ کی زبان میں نصاب کہا گیا ہے۔ احادیث نبوی ﷺ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن میں آپ نے پانچ اونٹوں سے کم اور چالیس بکریوں سے کم تعداد کو زکورہ سے مستثنی فرمایا ہے اور اسی طرح دوسو درہم سے کم چاندی اور پانچ وسق سے کم پھل، غلے اور زرعی پیداوار کو زکواۃ سے مستثنی فرمایا ہے۔ شیخ الاسلام شاہ ولی اللہؒ مقداروں کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

شریعت اسلامیہ نے زکواۃ کے نصاب میں کھجور اور غلے کی پانچ وسق کی جو مقدار مقرر کی ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ مقدار ایک چھوٹے سے گھرانے کی سال بھر کی ضروریات کے لیے کافی ہے اور چھوٹے سے گھرانے سے ایک میاں ہوئی، ایک بچہ یا ایک ملازم مراد ہے یا اس جیسے کم افراد کے خاندان مراد ہیں، انسان کی زیادہ سے زیادہ مقدار خوراک ایک رطل یا ایک مُدّ ہے اور یہ مقدار کھا کر بھی اس میں سے کچھ برائے ضرورت اتفاقی بچ سکتا ہے۔ اور چاہیں کی کراہ میں پانچ اوقیہ (دوسو درہم) کی مقدار اس لیے مقرر فرمائی کہ یہ مقدار بھی ایک چھوٹے گھرانے کے لیے ایک سال تک کے لیے کافی ہے، بشرطیکہ قیمتوں میں پوراسال تمام علاقے میں استحکام رہے۔ اور اگر آپ ان علاقوں کا جائزہ لیں جہاں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ میں توازن رہتا ہے تو آپ اس اصول کو درست پائیں گے۔ اور اونٹوں کی مقدار پانچ اونٹ اس لیے مقرر کی گئی ہے اور ان پر ایک بکری بطور زکواۃ اس لیے رکھی گئی ہے۔ حالانکہ اصولاً زکواۃ کی جنس وہی ہونی چاہیے جو مال کی جنس ہے کہ اونٹ ایک بڑی قامت کا جانور ہے اور اس میں بے حد فوائد موجود ہیں اور وہ کھانے، سواری کرنے دودھ اور نسل حاصل کرنے کے کام آتا ہے اور اس کی اون اور کھال سے انسان گرمی اور حرارت حاصل کرتا ہے۔ اور بعض لوگ اونٹ کی عمدہ نسل کے چند اونٹ پال لیتے ہیں جو بلحاظ فوائد اونٹوں کی زیادہ مقدار کے مساوی ہوتے ہیں۔ احادیث کے مطابق زمانہ نبوت میں ایک اونٹ آٹھ، دس اور بارہ بکریوں کے مساوی بنوا کرتا تھا اس لیے آپ ﷺ نے پانچ اونٹ بکریوں کے نصاب کے بقدر مقرر فرمادیے۔"(17)

نصاب کی شرط میں حکمت

نصاب کی شرط واضح ہے اس لیے کہ زکواۃ ایک ایسا ٹیکس ہے جو تنگ دستوں کی کفالت کے لیے دولتمندوں سے لیا جاتا ہے اور مسلمانوں اور اسلام کے مفادات میں خرچ کیا جاتا ہے، اس لیے لازمی ہے کہ یہ زکواۃ اس مال سے لی جائے جو دوسروں کی امداد کے قابل ہو، کیونکہ جو تنگدست خود ہی امداد کا محتاج ہے اس سے دوسروں کی امداد کے لیے زکوۃ لینا بے معنی ہے۔ اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔"صرف غنی پر صدقہ

17. Shāh Walī Allāh, *Ḥujjat Allāh al-Bālighah*, 2/506

ہے۔"[18] دور جدید کا قانون بھی محدود آمدن والے لوگوں کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے، کیونکہ وہ ٹیکسوں کی ادائیگی پر قادر نہیں ہوتے اور ان سے نرمی اور رعایت کی ضرورت ہوتی ہے یہ در حقیقت وہی اصول ہے جو شریعت اسلامیہ چودہ صدی قبل اختیار کر چکی ہے۔

ضروریاتِ اصلیہ سے زائد مال

وجوب زکوۃ کے لیے مال میں نما کی شرط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ وہ مال جو بقدر نصاب ہو مالک کی حقیقی ضرورتوں سے زائد ہو، جیسا کہ فقہائے احناف نے تحریر کیا ہے، کیونکہ اسی صورت میں خوش دلی کے ساتھ ادائے زکوۃ ہو گی۔ اس لیے جو مال اصلاً حقیقی ضرورتوں کے لیے ہو اس کا مالک غنی (مالدار) نہیں کہلائے گا کیونکہ وہ دراصل بقائے حیات کے لیے ہوتا ہے اور اس پر انسان کا شکر ادا کرنا دراصل جسمانی نعمتوں کے شکر کے زمرے میں آتا ہے۔ اور اس مال پر ادائے زکوۃ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق خوش دلی سے نہیں ہو گی۔ "اپنے مالوں کی زکوۃ خوش دلی سے ادا کرو" غرض حقیقی ضرورتوں میں استعمال ہونے والے مال پر زکواۃ عائد نہیں ہو گی۔

ضروریاتِ اصلیہ سے مراد

انسان کی ضرورتیں بے شمار اور لامتناہی ہیں اور بالخصوص ہمارے اس دور میں تو جو آسائشات تھیں وہ ضروریات بن گئی ہیں حقیقت یہ ہے کہ انسان جس شے کی خواہش رکھتا ہو وہ اس کی اصلی اور حقیقی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جہاں تک انسان کی خواہش کا تعلق تو اس کا حال تو یہ ہے کہ گر کسی شخص کے پاس سونے کے دو پہاڑ بھی ہوں تو وہ یہ چاہے گا کہ تین ہو جاتیں، بلکہ حقیقی ضروریات وہ ہیں جن کے بغیر انسان کا گزارا نہ ہو سکے، جیسا کھانا پینا، لباس اور رہائش اور علم وفن کی وہ کتابیں جو اس کی مددگار ہوں اور وہ آلات حرفت جن سے وہ اپنے پیشے میں مدد لیتا ہو۔ وغیرہ۔ ہر زمانے کے ماحول اور علاقے کے تغیر سے انسان کی حقیقی ضرورتوں میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور یہ اولوالامر اور ارباب اجتہاد کا کام ہے کہ وہ اپنے حالات کے مطابق انسان کی حقیقی ضرورتوں کا تعین کریں۔ جدید قانون ٹیکس میں بھی یہ تصور موجود ہے کہ آدمی کی معیشت کی کمتر مقدار کو ٹیکس سے مستثنیٰ ہونا چاہیے۔

قرآن وسنت سے اس شرط کے دلائل

بہت سے عقلی دلائل کے علاوہ قرآن وسنت میں بھی اس شرط کے نظائر ملتے ہیں۔ فرمان الہی ہے: "وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ"[19] (تم سے پوچھتے ہیں ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں کہو جو کچھ تمھاری ضرورت سے زیادہ ہو۔) مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے محل انفاق اس مال کو قرار دیا ہے جو انسان کی اپنی، اپنے اہل خانہ اور جو اس کے زیر کفالت ہوں ان کی ضرورت سے زائد ہو، اس لیے کہ انسان کی اپنی ضروریات دوسروں کی ضرورتوں پر مقدم ہوتی ہیں اور کسی شخص کے اہل خانہ اولاد اور زیر کفالت افراد کی ضرورت اس کی اپنی ضرورت کے درجے میں ہے اور جو مال اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے ہو اس کے راہ خدا میں خرچ کرنے کا شریعت نے مطالبہ نہیں کیا ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صدقہ غنی پر ہے۔"[20]

ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا ہے: "حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص سے فرمایا کہ اپنی ذات سے ابتدا کرو اور پہلے اپنے آپ پر صدقہ کرو، اگر تم سے بچ رہے تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو، اگر اس سے بھی جائے تو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر ان سے بھی

18. Shāh Walī Allāh, *Ḥujjat Allāh al-Bālighah*, 2/506
19. al-Baqarah, 2:219
20. Ḥanbal, Aḥmad b. Muḥammad, *Musnad al-Imām Aḥmad b. Ḥanbal*, al-Qāhirah: Dār al-Ḥadīth, 1416H, ḥadīth no. 7155

بچ جائے تو پھر راہ خدا میں دو"[21] (مسلم) قرآن وسنت کی مذکورہ بالا تعلیمات سے انفاق کے بارے میں اسلام کی راہنمائی کا علم ہوتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ محل انفاق عفو ہے۔ اسی طرح یہ حدیث کہ مسلم کے غلام اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اصلی ضروریات میں داخل ہیں کہ غلام آدمی کی خدمت کے لیے ہوتا ہے اور گھوڑا سواری کے لیے اور جہاد کے لیے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ صدرِ اول سے ہی تمام فقہاء کے نزدیک اگر غلام اور گھوڑا برائے تجارت ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے بلکہ ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

صاحب نصاب کا قرض سے محفوظ ہونا

مال پر زکوٰۃ کے عائد ہونے کی ان شرائط کے ساتھ ساتھ کہ مال زکواۃ کی ملکیت تام ہو، اور یہ مال حقیقی ضرورتوں سے زائد ہو ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس مال پر قرض کی ادائیگی لازم نہ ہو یعنی اگر مالک پر اس قدر قرض ہو جو سارے نصاب پر حاوی ہو یا اتنا فرض ہو جس سے نصاب زکواۃ میں کمی آجائے تو اس مقروض پر زکواۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ بعض فقہاء اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور خاص طور پر اموال ظاہرہ کے قرضوں کے بارے میں انھیں اختلاف ہے اور اس اختلاف رائے کی وجہ ان فقہاء کا زکوٰۃ کی کیفیت میں نقطہ نظر ہے جیسا کہ علامہ ابن رشد نے بیان کیا ہے کہ کیا زکوٰۃ محض ایک عبادت ہے یا یہ مال پر عائد ہونے والا مساکین کا حق ہے۔ چنانچہ جن فقہا کے نزدیک زکوٰہ مساکین کا حق ہے ان کے نزدیک اس شخص پر زکوٰۃ نہیں ہے جس پر قرض ہو اس لیے کہ قرض دہندہ کا حق مساکین کے حق پر مقدم ہے اور یہ مال فی الحقیقت قرض دہندہ کا مال ہے نہ کہ اس شخص کا جس کے قبضے میں مال ہے (یعنی مقروض کا) اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ زکواۃ محض ایک عبادت ہے تو ان کے نزدیک اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے جس کے قبضے میں مال ہے (مفروض) اس لیے زکوٰۃ کے ضمن میں مال موجود ہونا زکواۃ کے مکلف ہونے کی شرط اور وجوب کی متقاضی علامت ہے خواہ اس پر فرض ہو یا نہ ہو۔ اور نیز یہ کہ یہاں پر دو حق باہم متعارض ہوں گے۔ ایک حق اللہ اور دوسرا حق آدمی اور ان دونوں حقوق کی موجودگی میں لازماً حق اللہ کی ادائیگی مقدم ہونی چاہیے۔[22]

علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ مقصود شریعت یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقروض پر زکوٰۃ نہ ہو اور جس مسلک کو ابن رشد نے قابل ترجیح قرار دیا ہے اس کی تائید نصوص شریعت اور شریعت کے عام اصولوں سے ہوتی ہے، خواہ قرض کا تعلق اموال ظاہرہ سے ہو یا اموال باطنہ سے ہو، اور اس مسلک کے مطابق مقروض پر زکوٰۃ نہیں ہے جس کے درج ذیل دلائل ہیں۔

i. مقروض کی ملکیت کمزور اور ناقص ہوتی ہے کیونکہ اس ملکیت پر قرض خواہ کا حق عائد ہوتا ہے اور وہ اپنے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کر رہا ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلک حنفی وغیرہ کے مطابق اگر مقروض قرض ادا نہ کرے، تو قرض دہندہ اپنے قرض کی جنس (نوع) کا مال بغیر عدالتی فیصلے اور بغیر مقروض کی رضامندی کے لے سکتا ہے۔[23]

ii. مال قرض پر زکوٰۃ کا مطالبہ دراصل قرض دہندہ سے ہے اس لیے کہ یہ مال اس کا ہے اور وہی مالک ہے ادر جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے اگر مقروض بھی اس مال کی زکواۃ ادا کرے تو ایک ہی مال پر دو مرتبہ زکواۃ واجب ہو جائے گی جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

---

21. al-Qushayrī, Muslim b. al-Ḥajjāj, *al-Musnad al-Ṣaḥīḥ al-Mukhtaṣar min al-Sunan bi-Naql al-ʻAdl ʻan al-ʻAdl ʻan Rasūl Allāh* ﷺ, Bayrūt: Dār Iḥyā' al-Turāth al-'Arabī, Kitāb al-Zakāh, Bāb al-Ibtidā' bi'l-Nafaqah bi'l-Nafs thumma Ahluhu thumma Qarābah, ḥadīth no. 997
22. Ibn Rushd, Abū al-Walīd, Muḥammad b. Aḥmad, *Bidāyat al-Mujtahid wa Nihāyat al-Muqtaṣid*, al-Qāhirah: Dār al-Ḥadīth, 1425H, 2/238
23. al-Nawawī, Abū Zakariyyā, Muḥyī al-Dīn b. Sharaf, *al-Majmū ʻSharḥ al-Muhadhdhab*, al-Qāhirah: Idārat al-Ṭibā ʻah al-Munīriyyah, 1344H, 5/364

iii. وہ مقروض جس کے ذمے بقدر نصاب قرض ہو یا اتنا قرض ہو جس سے نصاب زکواۃ میں کمی آجائے تو وہ خود فقراء میں سے ہو جائے گا اور اسے خود زکواۃ لینا جائز ہو جائے گا۔ تو جو شخص خود مستحقینِ زکواۃ میں سے ہو اس پر زکوۃ کیسے واجب ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے صدقہ غنی پر لازم ہے، اور مقروض غنی نہیں ہے اس لیے کہ وہ تو خود ادائے قرض کا محتاج ہے کہ عدم ادائے قرض پر اسے سزائے حبس بھی ہو سکتی ہے اور علاوہ ازیں وہ شب وروز کی قرض کی پریشانی میں بھی الجھا رہتا ہے۔

iv. زکورہ تو دراصل اہل ضرورت کی ہمدردی کے طور پر فرض ہوتی ہے اور مقروض کی یہ ضرورت کہ وہ قرض ادا کر دے ایسی ہی ہے جیسی فقیر کی ضرورت بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

v. اور یہ امر حکمت کے خلاف ہے کہ مالک کی ضرورت کو دوسروں کی ضرورت پورا کرنے کے لیے معطل کر دیا جائے۔ مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر جمہور فقہاء نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ قرض وجوب زکواۃ سے مانع ہے یا قرض اموال باطنہ، نقود اور سامان تجارت میں زکواۃ کی مقدار میں کمی واقع کر دیتا ہے۔

vi. بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اموال ظاہرہ پر زکواۃ کے عائد ہونے میں قرض مانع نہیں ہے، کیونکہ فقراء کے دل ان اموال ظاہرہ سے متعلق ہو جاتے ہیں اس لیے ان میں زکوۃ زیادہ موکد ہو جاتی ہے، چنانچہ ان پر زکواۃ کی وصولی کے لیے کارندے بھیجے جاتے ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے کارندے روانہ فرماتے، اور اسی زکواۃ کی عدم ادائیگی پر حضرت ابوبکر نے مانعین زکواۃ سے قتال فرمایا، اور کہیں بھی یہ دار نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر نے اموال باطنہ کی زکواۃ کی وصولی پر سختی فرمائی ہو وہ اس لیے کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب زکواۃ وصول کنندگان جاتے تھے تو جو اموال ان کے سامنے ہوتے اس پر زکوۃ وصول کرتے اور زکواۃ دہندگان سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ ان پر قرض ہے یا نہیں ہے، جس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ قرض اموال ظاہرہ کی زکورہ سے مانع نہیں ہے اور مزید یہ کہ اموال ظاہرہ کی جانب فقراء کی طمع زیادہ ہوتی ہے اور اس کے تحفظ کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس پر زکوۃ بھی زیادہ مؤکد اور لازمی ہو گی۔[24]، جبکہ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ سوائے زرع اور ثمر (فصلوں اور پھلوں) کے قرض ہر مال پر زکواۃ عائد ہونے سے مانع ہے۔[25]

وجوب زکواۃ سے مانع قرض کی شرائط

قرض کی مقدار یا تمام نصاب زکورہ پر عادی ہو، یا نصاب زکواۃ میں اس سے کمی آجاتے اور ادائے قرض کے لیے اس نصاب زکواۃ کے سوا اس کے پاس اور کچھ نہ ہو۔ مثلاً کسی کے پاس (اس کی ضرورت سے زائد) مال بیس دینار ہوں لیکن ایک دینار یا کم وبیش اس پر قرض ہو، اب اگر وہ اس قرض کو ادا کرتا ہے تو نصاب زکواۃ میں کمی آجاتی ہے اور ادائے قرض کے لیے اس کے پاس اس رقم کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو اس پر زکواۃ واجب نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی کے پاس تیس دینار ہوں اور دس دینار اس پر قرض ہوں تو وہ بیس دنیار کی زکواۃ ادا کرے گا اور اگر قرض کی رقم دس دینار سے زیادہ ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہو گی اور اگر اس پر پانچ دینار قرض ہوں تو پچیس کی زکواۃ ادا کرے گا۔ اور اسی طرح اگر کسی کے پاس سو بکریاں ہوں اور ساٹھ بکریوں کے بالمقابل اس پر قرض ہو تو اس پر چالیس بکریوں کی زکواۃ مائدہ ہو گی اور اگر اس پر اکسٹھ بکریوں کے بالمقابل قرض ہو تو اس پر زکواۃ عائد نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس قرض سے نصاب زکواۃ میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ جو قرض مانع زکواۃ ہے کیا اس میں یہ شرط بھی

---

24. Ibn Qudāmah, Abū Muḥammad, ʻAbd Allāh b. Aḥmad, *al-Mughnī*, al-Riyāḍ: Dār ʻĀlam al-Kutub, 1417H, 3/42–43
25. Aydan (ibid.)

ہے کہ وہ قرض فوری ادائیگی کا حامل ہو؟ اس باب میں دلائل کی عمومیت کے پیشِ نظر درست رائے یہی ہے کہ اس میں حال (فوری) اور مئوجل (بالتاخیر) قرض کا کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن بعض فقہانے کہا ہے کہ موجل قرض وجوب زکواۃ سے مانع نہیں ہے اس لیے کہ اس کی ادائیگی کا کوئی فوری مطالبہ نہیں ہوتا۔[26]

مبحث پنجم: مال پر سال کی مدت اور پیداوار پر فوری زکوۃ

حولان الحول (سال گزرنے) کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ملکیت کو مالک کے پاس بارہ اسلامی مہینے گزر جائیں، یہ بھی وجوب زکواۃ کی ایک شرط ہے اور اس کا تعلق مویشی، نقود (سونا اور چاندی) اور سامان تجارت سے ہے۔ اور ان اشیاء پر زکوۃ کو راس المال پر زکوۃ کا عنوان دیا جاتا ہے، جبکہ زرعی پیداوار، پھل، شہد، کانوں سے نکالی جانے والی اشیاء اور کنز وغیرہ پر زکوۃ واجب ہونے کے لیے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے اور ہم اس زکوۃ کو آمدنی پر زکوۃ کا عنوان دے سکتے ہیں۔

سال گرنے کی شرط کی حکمت

علامہ ابن قدامہ نے فرمایا ہے کہ جن اشیاء پر وجوب زکوۃ کے لیے سال گزرنے کی شرط کا اختیار کیا گیا ہے وہ افزائش (نما) کی حامل ہیں۔ مثلاً مویشی دودھ دیتے ہیں اور نسل بڑھاتے ہیں، اور سامان تجارت سے نفع حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح نقدر قوم سے افزائش حاصل ہوتی ہے، تو ان اشیاء میں سال گزرنے کی شرط اس لیے معتبر متصور کی گئی تاکہ سال بھر میں یہ اشیاء افزائش دے دیں، تو جو فائدہ حاصل ہو اس میں سے زکوۃ ادا ہو جائے تاکہ آسانی اور سہولت ہو اور زکواۃ کا حقیقی منشاء یعنی افراد معاشرہ کی ہمدردی پورا ہو جائے لیکن حقیقی افزائش (نما) کا اس لیے اعتبار نہیں کیا گیا کہ یہ اس قدر مختلف ہو گا کہ اس کو منضبط نہیں کیا جا سکتا اور اس لیے کہ ان اموال پر زکواۃ تو سال بسال بار بار عائد ہوتی رہے گی، اس لیے اس کا کوئی ضابطہ وضع ہونا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ایک ہی عرصے میں کئی مرتبہ زکواۃ واجب ہو جائے اور اس طرح مال ہی ختم ہو جائے۔ جبکہ فصلیں اور پھل میں بذات خود نمار (افزائش) ہے اور جس وقت ان پر زکواۃ عائد ہو رہی ہے ان کا نما، مکمل ہو چکا ہے اس لیے ان پر زکواۃ اسی وقت عائد ہو جائے گی کہ اس کے بعد ان اشیاء میں افزائش باقی نہیں رہے گی بلکہ کمی واقع ہونے لگے گی، اسی لیے ان پر دوبارہ زکوۃ عائد نہیں ہو گی کیونکہ اب ان میں نمار کی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔ کانوں سے بر آمد ہونے والی اشیاء بھی فصل اور پھل کی طرح ہیں۔[27]

سال گزرنے کی شرط کی دلیل

علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ جمہور فقہاء کے نزدیک سونے، چاندی اور مویشی پر وجوب زکواۃ کے لیے سال کا گزرنا شرط ہے۔ اس لیے کہ یہ امر خلفائے اربعہ سے ثابت ہے، اور تمام صحابہ کرام کا عمل اسی کے مطابق تھا جو ظاہر ہے کہ فرمان نبوت کے مطابق ہو گا اور حضرت ابن عمر سے مرفوعاً یہ روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "سال گزر جانے تک مال پر زکواۃ نہیں ہے"[28] بہر حال فقہائے امصار کا اس امر پر اجماع ہے اور دور اول کا بھی کوئی اختلاف رائے منقول نہیں ہے۔ سوائے اس کے حضرت ابن عباس اور حضرت معاد سے اختلاف منقول ہے جس کی وجہ اس باب میں کسی صحیح ثابت شدہ حدیث کا نہ ہونا ہے۔[29]

---

26. Ibn Najīm, *al-Baḥr al-Rā'iq Sharḥ Kanz al-Daqā'iq*, 2/216
27. Ibn Qudāmah, *al-Mughnī*, 1/625
28. al-'Asqalānī, Ibn Ḥajar, Aḥmad b. 'Alī, *al-Talkhīṣ al-Ḥabīr fī Takhrīj Aḥādīth al-Rāfi'ī al-Kabīr*, Miṣr: Mu'assasat Qurṭubah, 1416H, p. 175
29. Ibn Rushd, *Bidāyat al-Mujtahid wa Nihāyat al-Muqtaṣid*, 2/261

بعض صحابہ و تابعین کا سال گرنے کی شرط پر اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور معاویہؓ سے یہ قول منقول ہے کہ جس وقت مال حاصل ہو اسی وقت اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور سال گزرنا شرط نہیں ہے۔ ان صحابہ کرامؓ اور ان کے ساتھ بعض تابعینؒ کی رائے یہ ہے کہ جس وقت کوئی شخص بقدر نصاب مال کا مالک ہو گا اس پر اسی وقت زکوٰۃ واجب ہو گی۔[30] خواہ یہ مال خود بقدر نصاب ہو یا اس کے سابقہ مال سے مل کر بقدر نصاب بنے، بہر حال وجوب زکواۃ کے لیے سال گزرنے کی شرط نہ ہو گی۔

مبحث ششم: حیوانات پر زکوٰۃ کی خصوصی شرائط

سائمہ: سائمہ کے لغوی معنی چرنے والے جانور کے ہیں لیکن شریعت میں سائمہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جانور جس کو سال کے اکثر حصے ہیں مباح چارہ کافی ہو جائے اور وہ جانور دودھ، گھی، نسل اور زیادتی کے لیے پالا گیا ہو ہے۔[31] اور اس کے بالمقابل معلوفہ ہو گا یعنی وہ جانور جس کے چارے کا بندوبست اس کا مالک کرتا ہو۔

سائمہ ہونے کی شرط کی حکمت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کی صورت ایسی ہو کہ اس کی ادائیگی آسان ہو اس لیے کہ زکوٰۃ فرمان الٰہی کے مطابق عفو"[32] (زائد از ضرورت مال) کا خرچ کرنا ہے اور ایسا مال وہ ہو گا جس کی مشقت کم ہو اور افزائش زیادہ ہو اور یہ بات سائمہ (از خود چرنے والے)، جانوروں میں پائی جاتی ہے جبکہ معلوفہ (جس کے چارے کا بندوبست مالک کرے) جانوروں میں محنت و مشقت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر زکوٰۃ ادا کرنا نفس کے لیے گرانی کا باعث ہے۔

سائمہ ہونے کی شرط کی دلیل: وہ روایت ہے جو امام احمد، امام نسائی اور ابو داؤد نے بہز بن حکیم سے روایت کی ہے کہ: "ہر چالیس سائمہ اونٹوں پر ایک بنت لبون زکوٰۃ ہے۔" اس حدیث کو آئمہ کی ایک جماعت نے صحیح قرار دیا ہے اور اس میں سائمہ کی شرط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معلوفہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ہر اونٹ پر زکوٰۃ ہو تو یہاں سائمہ کا لفظ بے معنی ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ نبی کا کلام بے معنی نہیں ہو سکتا، اس سے یہی معلوم ہوا کہ سائمہ کا جو حکم بیان ہوا ہے غیر سائمہ کا اس کے بر خلاف ہو گا۔ حدیث مذکور کی تائید صحیح بخاری میں مروی حضرت انسؓ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "ہر چالیس سائمہ بکریوں پر زکوٰۃ ہے۔"[33]

اگر بکریوں میں سائمہ ہونے کی شرط صحیح ہے تو پھر اس پر قیاس کرتے ہوئے اُونٹ اور گائے میں بھی صحیح ہے۔ لہٰذا جو احادیث مطلق وارد ہیں اور ان میں سائمہ کی شرط مذکور نہیں ہے تو انھیں بھی انہی مقید احادیث پر محمول کیا جائے گا۔ بہر حال یہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے مگر ربیعہ، مالک اور لیث کی رائے اس کے بر عکس ہے اور ان کے نزدیک معلوفہ (غیر سائمہ اونٹ، گائے اور بکریوں پر بھی اسی طرح زکوٰۃ عائدہ ہو گی جس طرح کہ سائمہ جانوروں پر ہے۔ گویا ان اصحاب کا عمل ان مطلق احادیث پر ہے جن میں سائمہ کی شرط موجود نہیں ہے اور جن احادیث میں سائمہ کی شرط کا ذکر ہوا وہ اکثری حال کے مطابق ہوا ہے کیونکہ نصاب کے بقدر جانوروں کو اکثر طور پر گھروں پر چارہ نہیں دیا جاتا۔[34]

---

30. Ibn Ḥazm, *al-Muḥallā bi'l-Āthār*, 6/83
31. al-Ḥaṣkafī, *al-Durr al-Mukhtār Sharḥ Tanwīr al-Abṣār*, ma' Ḥāshiyat Ibn 'Ābidīn, Bayrūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1423H, 2/20–21
32. al-Baqarah, 2:219
33. al-Bukhārī, Muḥammad b. Ismā'īl, *al-Jāmi' al-Musnad al-Ṣaḥīḥ al-Mukhtaṣar min Umūr Rasūl Allāh ﷺ wa Sunanih wa Ayyāmih*, Bayrūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1404H, Kitāb al-Zakāh, Bāb Zakāh al-Ghanam, ḥadīth no. 1454
34. Abū 'Ubayd, *Kitāb al-Amwāl*, p. 38

جانور زیر خدمت نہ ہو: اس کا مطلب یہ ہے کہ مالک ان جانوروں کو ہل چلانے، راہٹ چلانے اور بوجھ اٹھانے وغیرہ کے کاموں میں استعمال نہ کرتا ہو۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ "کام کرنے والی گائے پر زکوۃ نہیں ہے۔"[35] یہ اثر بعض کتب حدیث میں مرفوعاً (نبی ﷺ سے منسوب) بھی نقل ہوا ہے لیکن زیادہ تر محدثین کے نزدیک یہ موقوف (یعنی حضرت علی کا قول) ہے اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ (ہل چلانے والے جانوروں پر زکوۃ نہیں ہے۔)[36] یہ بھی ایک موقوف روایت ہے غرض یہ رائے ابراہیم، مجاہد، زہری و حضرت عمر بن عبد العزیز اور متعدد تابعین کرامؒ سے منقول ہے اور یہی امام ابو حنیفہ، امام ثوری، امام شافعی اور زیدی فقہاء کا مسلک ہے اور لیث سے بھی گائے کے بارے میں یہی رائے منقول ہے۔[37]

اس شرط کی دلیل

ا۔ اس مال پر زکوۃ نہیں ہوتی جو مالک کی ذاتی منفعت میں استعمال ہو رہا ہو، جیسے اس کا لباس، اس کی خدمت پر مامور غلام، اس کا رہائشی گھر اس کی سواری کا جانور اور اس کی ضرورت کی کتابیں، اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو بیل مالک کی زمین پر یل چلانے کے کام میں آتا ہے اور جو اونٹ پانی کھینچ کر اس کی زمین کو سیراب کرتا ہے اس پر بھی زکوۃ نہیں ہونی چاہیے۔ یہ بات نتیجہ قیاس بھی ہے اور تقاضائے نصوص بھی۔[38]

جو جانور مین کی سیرابی اور ہل چلانے میں کام آتے ہوں وہ ان آلات کی طرح ہیں جو زمین کی زراعت میں استعمال میں آتے ہیں اور بعد اس پیداوار پر زکوۃ عائد ہوتی ہے، اگر ان جانوروں پر بھی زکوۃ ہو جائے تو گویا زکوۃ دوگنی ہو جائے گی۔ اس مسئلے میں امام مالک کی رائے جمہور کے مسلک سے مختلف ہے اور ان کے نزدیک گائے اور اونٹ عاملہ ہوں یا غیر حاملہ سب پر زکواۃ واجب ہے جیسا کہ ان کے نزدیک سائمہ اور غیر سائمہ پر زکواۃ واجب ہے۔ اور ثوری سے منقول ہے کہ ان کے سامنے جب امام مالک ک اس رائے کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ایسا کہہ سکتا ہے۔[39] چونکہ قرین انصاف بات یہی ہے لہذا مسلک مالک کے بعض فقہاء نے بھی مسلک جمہور کو ترجیح دی ہے۔

خلاصہ بحث

زکوۃ اسلام کا معاشی ستون ہے جو امیر و غریب کے درمیان خلیج کو کم کرتا ہے۔ یہ تحقیق ثابت کرتی ہے کہ زکوۃ کی فرضیت کی شرائط قرآن و سنت سے مستنبط ہیں اور ان میں حکمت یہ ہے کہ مالدار پر بوجھ نہ پڑے بلکہ معاشرتی توازن قائم ہو۔ ملک تام، نصاب، حول اور مال نامی جیسی شرائط زکوۃ کو منصفانہ بناتی ہیں۔ یہ نظام دولت کی گردش کو فروغ دیتا ہے اور روحانی پاکیزگی کا باعث ہے۔ جدید دور میں بھی یہ شرائط قابل عمل ہیں، جو اسلامی معیشت کی بنیاد ہیں۔

سفارشات

* زکوۃ کی شرائط پر عوامی شعور اجاگر کرنے کے لیے مساجد اور میڈیا کا استعمال کیا جائے۔
* مال نامی کی جدید تفصیلات کے لیے فقہی کونسلز قائم کی جائیں تاکہ کرپٹو کرنسی جیسے اثاثوں پر زکوۃ کی وضاحت ہو۔

---

35. al-Sijistānī, Abū Dāwūd, *Sunan Abī Dāwūd*, Dimashq: Dār al-Risālah al-ʻĀlamiyyah, 1430H, Kitāb al-Zakāh, Bāb fī Zakāh al-Sā'imah, ḥadīth no. 1573
36. al-Ṣanʻānī, ʻAbd al-Razzāq, *al-Muṣannaf*, Bayrūt: al-Maktab al-Islāmī, 1403H, ḥadīth no. 6827
37. Abū ʻUbayd, *Kitāb al-Amwāl*, p. 308
38. al-Bahūtī, Manṣūr b. Yūnus, *al-Rawḍ al-Murbiʻ Sharḥ Zād al-Mustaqniʻ*, Bayrūt: Mu'assasat al-Risālah, 1417H, 2/408
39. al-Bahūtī, *al-Rawḍ al-Murbiʻ Sharḥ Zād al-Mustaqniʻ*, 2/381

* حکومت زکوٰۃ کی جمع آوری کے لیے نصاب اور حول کی خودکار چیکنگ کا سافٹ ویئر متعارف کرائے۔
* تعلیمی اداروں میں زکوٰۃ کی شرائط کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ نوجوان نسل کو آگاہی ملے۔
* زکوٰۃ کی ادائیگی کو ٹیکس ریلیف سے جوڑا جائے تاکہ لوگوں کو ترغیب ملے اور معاشرتی فلاح بڑھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

* Abū ʻUbayd, al-Qāsim b. Sallām. *Kitāb al-Amwāl*. al-Qāhirah: al-Kulliyāt al-Azharīyyah, 1395H.
* al-Bahūtī, Manṣūr b. Yūnus. *al-Rawḍ al-Murbiʻ Sharḥ Zād al-Mustaqniʻ*. Bayrūt: Mu'assasat al-Risālah, 1417H.
* al-Bājī, Abū al-Walīd, Sulaymān b. Khalaf. *al-Muntaqā fī Sharḥ al-Muwaṭṭa'*. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, n.d.
* al-Bukhārī, Muḥammad b. Ismāʻīl. *al-Jāmiʻ al-Musnad al-Ṣaḥīḥ al-Mukhtaṣar min Umūr Rasūl Allāh ﷺ wa Sunanih wa Ayyāmih*. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, 1404H.
* al-Dardīr, Aḥmad b. Muḥammad. *al-Sharḥ al-Kabīr maʻ Ḥāshiyat al-Dusūqī*. Bayrūt: Dār al-Fikr, n.d.
* al-Ḥaṣkafī. *al-Durr al-Mukhtār Sharḥ Tanwīr al-Abṣār, maʻ Ḥāshiyat Ibn ʻĀbidīn*. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, 1423H.
* al-Kāsānī, ʻAlā' al-Dīn, Abū Bakr b. Masʻūd. *Badā'iʻ al-Ṣanā'iʻ fī Tartīb al-Sharā'iʻ*. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, n.d.
* al-Nawawī, Abū Zakariyyā, Muḥyī al-Dīn b. Sharaf. *al-Majmūʻ Sharḥ al-Muhadhdhab*. al-Qāhirah: Idārat al-Ṭibāʻah al-Munīriyyah, 1344H.
* al-Qushayrī, Muslim b. al-Ḥajjāj. *al-Musnad al-Ṣaḥīḥ al-Mukhtaṣar min al-Sunan bi-Naql al-ʻAdl ʻan al-ʻAdl ʻan Rasūl Allāh ﷺ*. Bayrūt: Dār Iḥyā' al-Turāth al-ʻArabī, n.d.
* al-Ṣanʻānī, ʻAbd al-Razzāq. *al-Muṣannaf*. Bayrūt: al-Maktab al-Islāmī, 1403H.
* al-Sijistānī, Abū Dāwūd. *Sunan Abī Dāwūd*. Dimashq: Dār al-Risālah al-ʻĀlamiyyah, 1430H.
* Ḥanbal, Aḥmad b. Muḥammad. *Musnad al-Imām Aḥmad b. Ḥanbal*. al-Qāhirah: Dār al-Ḥadīth, 1416H.
* Ibn Ḥazm, Abū Muḥammad, ʻAlī b. Aḥmad b. Saʻīd. *al-Muḥallā bi'l-Āthār*. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, n.d.
* Ibn Najīm, al-Ḥanafī. *al-Baḥr al-Rā'iq Sharḥ Kanz al-Daqā'iq*. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, 1418H.
* Ibn Qudāmah, Abū Muḥammad, ʻAbd Allāh b. Aḥmad. *al-Mughnī*. al-Riyāḍ: Dār ʻĀlam al-Kutub, 1417H.
* Ibn Rushd, Abū al-Walīd, Muḥammad b. Aḥmad. *Bidāyat al-Mujtahid wa Nihāyat al-Muqtaṣid*. al-Qāhirah: Dār al-Ḥadīth, 1425H.
* Ibrāhīm Muṣṭafā wa dīgar. *al-Muʻjam al-Wasīṭ*. al-Qāhirah: Dār al-Daʻwah, 1426H.
* Shāh Walī Allāh, Muḥaddith Dihlawī. *Ḥujjat Allāh al-Bālighah*. Bayrūt: Dār al-Jīl, 1426H.
* al-ʻAsqalānī, Ibn Ḥajar, Aḥmad b. ʻAlī. *Fatḥ al-Bārī bi-Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Bayrūt: Dār al-Maʻrifah, 1379H.
* al-ʻAsqalānī, Ibn Ḥajar, Aḥmad b. ʻAlī. *al-Talkhīṣ al-Ḥabīr fī Takhrīj Aḥādīth al-Rāfiʻī al-Kabīr*. Miṣr: Mu'assasat Qurṭubah, 1416H.